شاعر
فراقؔ گورکھ پوری
(1896-1982)

سبق ۱۹: سر میں سودا بھی نہیں، دل میں تمنّا بھی نہیں

شاعر کا تعارف

اصلی نام رگھوپتی سہائے جب کہ فراقؔ تخلص تھا۔ گورکھ پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی گورکھ پرشاد ایک تعلیم یافتہ شخص تھے اور ان کا پیشہ وکالت تھا۔ وہ شعر و شاعری میں بھی خاصا شغف رکھتے تھے۔ عبرتؔ ان کا تخلص تھا۔ فراقؔ کی شاعری میں دل چسپی کی بڑی وجہ ان کا گھریلو ماحول بھی کہا جاسکتا ہے جس میں پرورش پا کر انھوں نے شعر و سخن کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔

فراقؔ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی۔ وہ اردو، فارسی اور انگریزی ادب کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۳۰ء میں انگریزی ادب میں الٰہ آباد یونی ورسٹی سے ایم اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ بعد میں شعبہ تدریس کا انتخاب کیا اور پھر تمام عمر اسی پیشے سے وابستہ رہے۔ غزل کے ساتھ ان کے تنقیدی مضامین اور خطوط نے بھی خاصی شہرت حاصل کی۔ بھارت اور سوویت یونین کی طرف سے ان کی ادبی خدمات پر انھیں اعزازات سے نوازا گیا۔

فراقؔ ایک وسیع المطالعہ شاعر تھے اور ان کی مشرقی و مغربی ادب پر گہری نظر تھی، اس لیے انھوں نے اپنی غزلوں میں ان دونوں تہذیبوں سے بھرپور خوشہ چینی کی ہے۔ مزید برآں انھیں آریائی اور دیومالائی کلچر ورثہ میں ملا تھا۔ چنان چہ اس تجسس اور ذوق نے انھیں مغربی، ایرانی اور ہندوستانی کلچر کا محرم بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی اور فارسی زبانوں اور تہذیبوں کے ملے جلے اثرات نے ان کے ذہن و دل کی گہرائیوں میں اتر کر نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔

فراقؔ نے غزل میں نئے موضوعات متعارف کرائے اور غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ فراقؔ گورکھ پوری کی تصانیف میں "پچھلی رات"، "چراغاں"، "گلِ نغمہ"، "شعلہ ساز"، "روحِ کائنات"، "غزلستان"، "شبنمستان"، "آرزو کی عشقیہ شاعری" اور "اردو غزل گوئی" شامل ہیں۔ ان کا تمام کلام "کلیاتِ فراق" کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

اشعار کی تشریح

شعر نمبر 1

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

حلِ لغت سودا (شوق، جنون، عشق) تمنا (آرزو، خواہش) ترکِ محبت (محبت کو چھوڑنا، محبت ختم کرنا) بھروسا (یقین، اعتماد)

مفہوم میرے سر میں عشق کی دیوانگی باقی نہیں رہی اور دل میں تیری آرزو بھی نہیں ہے۔ اگرچہ میں نے محبت ترک کر دی لیکن خود پر بھروسا نہیں کہ یہ جذبہ کب بیدار ہو جائے؟

تشریح

فراقؔ گورکھ پوری کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے، جنھوں نے اُردو غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی آہنگ اور نئے دور کا احساس موجود ہے۔ انھوں نے غزل میں نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز اور طرزِ احساس کے باعث آج ان کی غزل اُردو غزل کی دنیا پر چھا چکی ہے۔ بقول حسن عسکری:

"اب جو غزلیں لکھی جا رہی ہیں ان میں فراق کا دیا ہوا طرزِ احساس گونجتا ہے۔"

parho.pk

تشریح طلب شعر میں شاعر اپنے منفرد انداز میں جذبۂ محبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ میں نے عشق میں کچھ ایسے زخم کھائے ہیں کہ اب اس عشق کا بھوت میرے سر سے اتر گیا ہے۔ اب میرے سر میں وہ پہلے کی سی عشق کی دیوانگی باقی نہیں رہی اور دل میں محبوب کو حاصل کرنے کی خواہش بھی باقی نہیں رہی۔ تاہم مجھے محبت کرنے کا کچھ اعتبار بھی نہیں کہ کب پھر سے محبت شروع کر دوں، اگر چہ میں نے محبت ترک کر دی ہے لیکن اس ترکِ محبت کا کچھ بھروسا نہیں ہے۔ جب سے میں نے محبوب سے لاتعلقی کا اعلان کیا ہے میرے دماغ میں موجود عشق و محبت کا جنوں سرد پڑ چکا ہے۔ میرے اندر عشق نے انگڑائیاں لینا چھوڑ دی ہیں۔ میری بے قراریاں دم توڑ چکی ہیں۔ مجھے اب اپنے محبوب سے کوئی سروکار نہیں، نہ مجھے اب اس سے کوئی رابطہ رکھنا ہے اور نہ اس کی محبت میں مارا مارا پھرنا ہے۔ بقول شاعر:

ے لاکھ ہو دل مصر مگر اے جم ان سے اب رابطہ نہیں کرنا

''سودا'' کا مطلب عشق کا جنون اور دیوانگی ہے۔ عشق کا جنون باقی نہ رہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اس مقام پر ہے جہاں وہ جذباتی طور پر بے حد تھک چکا ہے اور اس کے دل میں محبت کے لیے پہلی سی شدت اور جوش وخروش نہیں رہا۔ اس معاملے میں وہ بے نیاز اور بے حس ہو چکا ہے۔ ''دل میں تمنا بھی نہیں'' سے مراد ہے کہ اب میرے دل میں کسی کی خواہش اور آرزو کی جگہ بھی نہیں رہی۔ یعنی شاعر اب محبت یا کسی بھی دوسری چیز کی طلب سے آزاد ہو چکا ہے۔ اس کے دل میں اب کوئی امید اور خواہش نہیں۔ اس کی تمام خواہشیں مر چکی ہیں۔ یہ بے حسی کی کیفیت کی عکاسی ہے۔

ے دنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
(علامہ اقبال)

چناں چہ شاعر کہتا ہے کہ میرا دل تمناؤں سے خالی ہو گیا ہے اور خوشیاں اس سے رخصت ہو گئی ہیں۔ امیدیں اس گھر کی باسی نہیں رہیں، آرزوئیں بھی اب وادی دل میں نہیں آتیں۔

دوسرے مصرع میں عشق کے اختیارات کی بات کرتے ہیں کہ عشق پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ یہ جس من میں سوار ہو جائے وہاں سے واپس نہیں پلٹتا۔ ایک بار جو دل میں سما جائے وہ کبھی نہیں نکل سکتا۔ عشق کے جذبے کے متعلق غالب کیا خوب کہتے ہیں۔

ے عشق پر زور نہیں ہے، یہ وہ آتش غالب کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے
(مرزا غالب)

اصل میں شاعر یہ کہتے ہیں کہ میں نے ترکِ محبت کا اعلان تو کر دیا ہے لیکن مجھے اپنے آپ پر بھروسا نہیں ہے کہ یہ جذبۂ عشق نہ جانے کب پھر سے بیدار ہو جائے۔ شاعر زبان سے تو انکارِ عشق کرتا ہے لیکن دل مسلسل اقرارِ عشق کر رہا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ میں کہہ تو رہا ہوں کہ میرے سر میں عشق کا جنون اب باقی نہیں رہا اور میرے دل میں کوئی خواہش نہیں رہی لیکن مجھے خود بھی اپنی اس بات پر بھروسا نہیں ہے۔ محبت کا جذبہ نہ جانے کب پھر سے بیدار ہو جائے۔ یہ ایک متضاد کیفیت ہے۔ بظاہر شاعر اس کی زبان اور اس کا دماغ تو یہ بات کہہ رہے ہیں لیکن اندرونی طور پر وہ اس بات پر یقین نہیں کر پا رہا۔ کیوں کہ محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے دماغ سے نہیں۔ بقول شاعر:

ے ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی دل چاہتا نہ ہو تو دعا میں اثر کہاں
(مولانا حالی)

اور بقول مومنؔ:

ے ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
(مومن خان مومن)

اس شعر کا مضمون نیا نہیں ہے لیکن سلاستِ الفاظ اور سادگیٔ بیان اور محبت کی ایک خاص کیفیت موجود ہے۔ ایسے سہل ممتنع انداز میں بیان کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس شعر کی جان اسی میں ہے کہ سننے والا فوراً متاثر ہو جاتا ہے۔ اُردو شاعری کا ذوق فراقؔ کو وراثت میں ملا ہے لیکن اُن کا مخصوص رنگِ سخن خود اُن کی ذاتی چیز ہے۔ ایک اور جگہ فراقؔ نے یُوں کہا ہے:

ہاں بتا دے مجھے اے رابطہ ترکِ طلب — جس سے آ جائے مجھے تیری تمنا کرنا

تشریح طلب شعر فنی محاسن سے بھر پور ہے۔ مصرع اولیٰ میں شاعر "سودا" کے مقابل "تمنا" کا لفظ لایا ہے، یہ دونوں الفاظ ہم قافیہ بھی ہیں، جس سے شعر کا صوتی آہنگ خوب صورت ہو جاتا ہے۔ شعر میں لفظ "نہیں" کی تکرار نہایت بھلی لگتی ہے۔ یہ صنعتِ تکرار کا خوب صورت استعمال ہے۔ علاوہ ازیں شعر متضاد اور ملی جلی کیفیات کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ روانی، سلاست اور موسیقیت سے بھر پور ہے۔

شعر نمبر 2

دل کی گنتی نہ یگانوں میں، نہ بیگانوں میں
لیکن اس جلوہ گہِ ناز سے اٹھتا بھی نہیں

حل لغت دل کی گنتی (دل کا شمار) یگانوں (اپنوں، دوستوں)، بیگانوں (غیروں، اجنبیوں) جلوہ گہِ ناز (محبوب کی محفلِ حسن، محبوب کا حسین چہرہ)، دل اٹھنا (دل ہٹنا، جدا ہونا، اکتا جانا)

مفہوم محبوب کی نظروں میں میرا شمار اپنوں میں ہے نہ غیروں میں لیکن میرا دل پھر بھی محبوب کی محفلِ حسن سے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔

تشریح

فراقؔ گورکھ پوری کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی آہنگ اور نئے دور کا احساس موجود ہے۔ انھوں نے غزل میں نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز اور طرزِ احساس کے باعث آج ان کی غزل اُردو غزل کی دنیا پر چھا چکی ہے۔ بقول حسن عسکری:

"اب جو غزلیں لکھی جا رہی ہیں ان میں فراق کا دیا ہوا طرزِ احساس گونجتا ہے۔"

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتا ہے کہ محبوب کی محفل میں میری حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ محبوب مجھے نہ تو اپنے دوستوں اور چاہنے والوں میں شمار کرتا ہے اور نہ وہ مجھے غیروں اور اجنبیوں میں شمار کرتا ہے۔ محبوب نے ایک عجیب بے التفاتی روا رکھی ہے۔ اسے میری محبت کی کوئی قدر نہیں۔ وہ مجھے کسی حیثیت میں شمار نہیں کرتا۔ یہ سب وہ اپنے ناز اور نخرے کے سبب کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرا دل محبوب کے ناز و ادا اٹھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کبھی نہ کبھی محبوب میری طرف نظرِ کرم فرمائے گا۔ میرا دل محبوب کی جلوہ گاہِ حسن و ادا سے بے زار نہیں ہوتا۔

میں شاد کام دید بھی محرومِ دید بھی — ہوتا ہے جب وہ سامنے کچھ سوجھتا نہیں (فراقؔ)

میرے دل کو نہ محبوب کی محبت اور توجہ حاصل ہے اور نہ مکمل طور پر لاتعلقی ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جہاں شاعر نہ تو محبوب کی قربت کا لطف اٹھا سکتا ہے اور نہ اس سے الگ ہو سکتا ہے۔ گویا وہ ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو کسی واضح حیثیت میں نہیں دیکھتا۔ لیکن پھر بھی اس کا دل محبوب کے حسن کی محفل سے ہٹنے کا نام نہیں لیتا۔ یہ ایک ایسا بار ہے جو نہ تو چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ محبوب کی محفل میں دل بے حیثیت ہو کر بھی محبوب کے سحر سے نکلنے کو تیار نہیں۔ بقول شاعر:

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے — دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

(مرزا غالبؔ)

شاعر کہتا ہے کہ اگر وہ مجھے دوستوں اور چاہنے والوں میں شمار کرتا تو میں اپنی قسمت پر ناز کرتا اور میری خوشی کی انتہا نہ رہتی کہ میرے دل کی مراد بر آتی۔ لیکن محبوب کی جانب سے ایسا کوئی رویہ سامنے نہیں آیا جس سے میں جان سکوں کہ وہ مجھے اپنے دوستوں میں شمار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک عجب معاملہ یہ بھی ہے کہ وہ مجھے غیر بھی نہیں سمجھتا۔ میرے ساتھ اس کا رویہ غیروں اور اجنبیوں والا بھی نہیں ہے۔ ایک مِلا جُلا سا رویہ محبوب نے روا رکھا ہوا ہے۔ گویا:

ع   صاف قائل بھی نہیں، صاف مکرتا بھی نہیں

محبوب کے اس رویے نے مجھے الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اگر وہ مجھے غیروں میں شمار کرتا اور میرے ساتھ اجنبیوں والا رویہ رکھتا تو کم از کم دل کو تسلی تو ہو جاتی کہ محبوب کی نگاہ میں میری کیا حیثیت ہے۔ لیکن اب مجھ پر مکمل صورت حال واضح نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے میرا دل بے قرار ہے اور محبوب کی محفلِ ناز سے نہ دور ہوتا ہے اور نہ بے زار۔

جب کبھی خود کو یہ سمجھاؤں کہ تو میرا نہیں   مجھ میں کوئی چیخ اٹھتا ہے، نہیں، ایسا نہیں
کب نکلتا ہے کوئی دل میں اتر جانے کے بعد   اس گلی کے دوسری جانب کوئی رستہ نہیں
(خورشید رضوی)

دل کا محبوب کی محفلِ حسن و ناز سے بے زار نہ ہونا اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ شاعر کا اپنے دل پر اختیار نہیں ہے۔ دل محبوب کے ہر روکھے رویے، سرد لہجے اور سفاکانہ عمل کے باوجود اس کی چاہ میں بے قرار رہتا ہے۔ محبوب کے کسی بھی قسم کے رویے کے باوجود دل میں محبوب کے لیے محبت میں کمی نہیں ہوتی۔ ''جلوہ گاہِ ناز'' ایک بلیغ ترکیب ہے۔ اس سے مراد محبوب کی محفل ہے جہاں محبوب اپنے حسن کے جلوے دکھاتا ہے۔ ان جلوؤں میں ناز، نخرہ اور ادا ہوتی ہے۔ محبوب کی یہی ادائیں اور ناز اور جلوے شاعر کے دل کو اس کے در سے ہٹنے نہیں دیتے۔ انھی جلووں کی چاہ میں وہ محبوب کے ہر ناگوار رویے پر بھی دل برداشتہ نہیں ہوتا۔

اقرار میں کہاں ہے انکار کی سی خوبی   ہوتا ہے شوق غالب اس کی نہیں نہیں پر
(میر تقی میر)

شعر میں ''یگانوں'' اور ''بیگانوں'' متضاد الفاظ آئے ہیں ۔ یہ صنعتِ تضاد ہے۔ ''جلوہ گہِ ناز'' نہایت بلیغ ترکیب ہے۔ شعر سادگی، سلاست اور روانی سے بھر پور ہے۔

شعر نمبر 3

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست!
آہ اب مجھ سے تری رنجشِ بے جا بھی نہیں

حل لغت مہربانی (رحم دلی، نرمی، شفقت)، محبت (دل کا گہرا لگاؤ، شدت سے چاہنا) آہ (کلمۂ افسوس) رنجشِ بے جا (بے وجہ ناراض ہونا)

مفہوم اے محبوب مہربانی کرنے کو محبت نہیں کہتے۔ افسوس اب تم مجھ سے بے وجہ ناراض بھی نہیں ہوتے۔

تشریح

فراق گورکھ پوری کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی آہنگ اور نئے دور کا احساس موجود ہے۔ انھوں نے غزل میں نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز اور طرزِ احساس کے باعث آج ان کی غزل کی دنیا پر چھا چکی ہے۔ بقول حسن عسکری:

''اب جو غزلیں لکھی جا رہی ہیں ان میں فراق کا دیا ہوا طرزِ احساس گونجتا ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر نے محبت اور احساسات کی گہرائی کو بیان کیا ہے۔ شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ

اے محبوب! محبت اور مہربانی میں بہت فرق ہے۔ کسی کی حالت زار پر رحم کر کے اس پر کچھ مہربانی کر دینا، محبت نہیں ہوتی، محبت ایک الگ چیز ہے۔ اے محبوب میری خستہ حالی کو دیکھ کر تمھارا دل پگھل گیا، اور تم نے ترس کھاتے ہوئے میرے ساتھ جو نرم رویہ رکھا ہے اور جو کرم نوازی کی ہے میں جانتا ہوں کہ وہ محبت نہیں ہے۔

مہربانی اور ترس وقتی جذبہ ہے جو تھوڑی دیر کے لیے دل میں پیدا ہوتا ہے اور پھر ختم ہو جاتا ہے۔ جب کہ محبت ایک مستقل جذبہ ہے جو ہمیشہ دل میں زندہ رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ بعض اوقات کسی حساس شخص پر مہربانی کرنے اور ترس کھانے سے اس کی عزتِ نفس مجروح ہو سکتی ہے۔ جب کہ محبت میں سب سے پہلے عزتِ نفس کا خیال رکھا جاتا ہے اور برابری کا رویہ رکھا جاتا ہے۔ اس لیے شاعر کہتا ہے کہ میں محبت کا طلب گار ہوں، مہربانی اور رحم دلی اور ترس کا نہیں۔ بقول شاعر:

اہلِ دنیا کو غورؔی یہ پیغام دو — عزتِ نفس میری نہ پامال ہو
ترس کھاؤ نہ مجھ پر، محبت کرو — ہاتھ میں ہاتھ دو، تم مرا ساتھ دو

(یامین غورؔی)

مصرع ثانی میں شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب! مجھے تو تمھارا مجھ سے بے وجہ ناراض ہونا بھی گوارا تھا۔ تم بات بات پر ناراض ہو جاتے تھے اور میں تمھیں منایا کرتا تھا۔ اس روٹھنے اور منانے میں بھی ایک محبت کا احساس اور جھلک نظر آتی تھی لیکن افسوس کہ اب وہ تمھارا بلاوجہ ناراض ہونا اور بے جا غصہ بھی ہم پر باقی نہیں رہا۔ گویا رحم محبت کی علامت نہیں بلکہ گلہ، شکوہ، غصہ اور شکایتیں محبت کے احساس کو بیدار رکھتی ہیں۔ شاعر کی کیفیت اب اس حد تک بدل چکی ہے کہ محبوب کی بے وجہ ناراضی اور خفگی بھی اسے ناگوار محسوس نہیں ہوتی۔ کیوں کہ وہ جان چکا ہے کہ یہ بھی محبت کا ایک پہلو ہے۔ وہ ہر حال میں محبت کے برتاؤ کو برداشت کرنے کو تیار ہے۔ بقول شاعر:

محبتوں میں دکھاوے کی دوستی نہ ملا — اگر گلے نہیں ملتا، تو ہاتھ بھی نہ ملا (بشیر بدر)

شاعر محبوب کو آگاہ کرتا ہے کہ محض ہمدردی کرنا اور نرم رویہ رکھنا محبت کے زمرے میں نہیں آتا۔ محبت ایک الگ ہی جذبہ ہے جو خلوص اور سچائی پر مبنی ہوتا ہے۔ محض ترس کھانے اور مہربانی برتنے سے محبت کا اظہار نہیں ہوتا۔ محبوب یہ سمجھتا ہے کہ مہربانی کرنا ہی محبت کرنا ہے۔ محبت میں صرف نرمی اور مہربانی کافی نہیں بلکہ اصل چیز اخلاص اور وابستگی ہے۔ اگر محبت میں خلوص نہ ہو تو چاہے کیسا ہی رویہ رکھا جائے، اس کا اعتبار نہیں رہتا۔

اس شعر میں مومن کا خالص رنگ نظر آتا ہے۔ شعر میں کمال خوب صورتی سے مہربانی اور محبت کے فرق کو بیان کیا گیا ہے اور پھر دوسرے مصرعے میں رنجش بے جا کو لا کر فراق نے شاعری کو کمال درجے پر پہنچا دیا ہے۔ یہ شعر فراقؔ کے نیرنگیٔ ذوق کی زبردست شہادت ہے۔ ایک اور شعر میں فراقؔ کہتے ہیں۔

نیرنگیٔ اُمیدِ کرم اُن سے پوچھیے — جن کو جفائے یار کا بھی آسرا نہیں

تشریح طلب شعر سادگی، روانی اور سلاست سے بھرپور ہے۔ ''مہربانی'' اور ''محبت'' کے الفاظ میں حرف ''م'' کی تکرار یہاں نہایت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ جس سے شعر کا صوتی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

شعر نمبر 4

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

حل لغت مدت (عرصہ، وقت) یاد (خیال، سوچ) بھول گئے (یاد نہ رہا) ایسا بھی نہیں (ایسی بات نہیں)

مفہوم اے محبوب! ایک مدت گزر گئی لیکن تمھارا تذکرہ نہ ہوا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تجھے بھول گئے ہیں۔

parho.pk

تشریح

فراق گورکھ پوری کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی آہنگ اور نئے دور کا احساس موجود ہے۔ انھوں نے غزل میں نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز اور طرزِ احساس کے باعث آج ان کی غزل اُردو غزل کی دنیا پر چھا چکی ہے۔ بقول حسن عسکری:

''اب جو غزلیں لکھی جا رہی ہیں ان میں فراق کا دیا ہوا طرزِ احساس گونجتا ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر ہر عاشق کی فطرت کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں کہ دنیوی مصائب و مسائل میں گھر جانے کے سبب محبوب بھی یادوں سے محو ہو جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ گردشِ حالات نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ دیارِ محبوب کو بھی چھوڑنا پڑا۔ روزگار کی تلاش میں اس قدر مگن ہوئے کہ ایک عرصہ تک محبوب کی یاد بھی نہ آئی۔ زندگی کی مصروفیات اور حالات کی تبدیلیوں کی وجہ سے شاعر کو محبوب کی یاد نہیں آئی۔ ایسی ہی کیفیت کا اظہار مشہور شاعر حسرت موہانی کچھ اس طرح کرتے ہیں:

نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی — مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

(حسرت موہانی)

دوسرے مصرع میں شاعر محبوب سے مخاطب ہیں اور اسے یقین دلانے کے انداز میں کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے زندگی کی مصروفیات نے ہمیں تم سے غافل رکھا اور ہم نے تجھے یاد نہیں کیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم تجھے بالکل ہی بھول گئے ہوں۔ بقول پروین شاکر:

عشق نے سیکھ ہی لی وقت کی تقسیم کہ اب — وہ مجھے یاد تو آتا ہے، مگر کام کے بعد

(پروین شاکر)

دراصل شاعر کہنا چاہتے ہیں کہ جب وہ دنیا کے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں تو کئی کئی مہینے گزر جاتے ہیں اور محبوب کی یاد تک نہیں آتی۔ بعض اوقات زندگی کی مشکلات اور مصروفیات دل و دماغ پر اتنی غالب آ جاتی ہیں کہ کسی اور چیز کا ہوش نہیں رہتا لیکن جب کبھی محبوب کا تذکرہ چھڑ جائے یا کسی بھی طرح ایک بار محبوب کی یاد تازہ ہو جائے تو پھر وہ دنیا کی ہر چیز کو بھلا دیتی ہے اور کچھ دیر کے لیے شاعر ہر چیز سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر:

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی — ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

ایک اور شعر میں فراق نے یوں بیان کیا ہے:

غرض کہ کاٹ دیے زندگی کے دن اے دوست — وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

شاعر نے بظاہر یہاں دو متضاد کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ دراصل بھولنا اور یاد نہ آنا دو مختلف چیزیں ہیں۔ بعض اوقات کوئی چیز وقت اور حالات کی بنا پر یاد نہیں آتی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مکمل طور پر بھول چکی ہو۔ بظاہر وقت گزرنے کے ساتھ اپنے پیاروں کی یادیں ماند پڑ جاتی ہیں لیکن وہ دل کے نہاں خانوں میں ہمیشہ موجود اور زندہ ہوتی ہیں۔ جس وقت وہ ابھرتی ہیں تو پھر ابھرتی چلی جاتی ہیں۔ محبت بھری یادیں وقت کی دھند میں چھپ تو سکتی ہیں لیکن مکمل طور پر مٹ نہیں سکتیں۔ محبوب کی یاد دل کی گہرائیوں میں ہمیشہ موجود رہتی ہے لیکن وہ وقت اور حالات کی تبدیلیوں کی وجہ سے ظاہری طور پر سامنے نہیں آتی۔ الغرض محبوب کی محبت اور اس کی یاد دل میں پیوست رہتی ہے خواہ وہ ظاہر ہو یا نہ ہو۔

دوسرے مصرع کے بے ساختہ پن، ردیف اور قافیے کے خوب صورت استعمال نے شعر کے مفہوم کو حد درجہ دل نشین بنا دیا ہے۔ نئے زاویۂ بیان نے شعر میں ایک نئی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ شعر کے رنگ میں مومن کا رنگ نظر آتا ہے۔

شعر متضاد کیفیات کا حامل ہے۔ انتہائی سادہ اور سہل ہے۔ سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ شاعر نے بڑی سادگی سے انسانی نفسیات کی عکاسی کی ہے۔

شعر نمبر 5

یوں تو ہنگامے اٹھاتے نہیں دیوانۂ عشق
مگر اے دوست! کچھ ایسوں کا ٹھکانا بھی نہیں

حلِ لغت ہنگامے (شور مچانا، اودھم مچانا) دیوانۂ عشق (عشق میں دیوانے ہونے والے) ایسوں کا (ایسے عاشقوں کا) ٹھکانہ (مراد اعتبار، بھروسا)

مفہوم سچے عاشق زبان پر شکوے نہیں لایا کرتے لیکن دیوانگی میں آہ و فغاں کرنے والوں کا کچھ بھروسا بھی نہیں۔

تشریح

فراقؔ گورکھپوری کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی آہنگ اور نئے دور کا احساس موجود ہے۔ انھوں نے غزل میں نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز اور طرزِ احساس کے باعث آج ان کی غزل اُردو غزل کی دنیا پر چھا چکی ہے۔ بقول حسن عسکری:

"اب جو غزلیں لکھی جا رہی ہیں ان میں فراق کا دیا ہوا طرزِ احساس گونجتا ہے۔"

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اگرچہ عشق میں دیوانے لوگ محبت کے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے ہنگامہ آرائی سے گریز کرتے ہیں اور محبوب کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ دیوانگی میں اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہیں اور عموماً اس کی شدت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے من کی دنیا میں مست اور مگن رہتے ہیں۔ وہ محبوب کی محبت میں اس قدر ڈوب جاتے ہیں کہ انھیں محبوب کے سوا کسی کی خبر نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسا شخص جو خود اپنی ذات سے بھی بے گانہ ہو عموماً ہنگامہ آرائی نہیں کرتا۔ لیکن ایسے دیوانوں کا کچھ بھروسا بھی نہیں کہ یہ شوریدہ سر کب طوفان برپا کر دیں۔ ان کی خاموشی کب کسی طوفان کا پیش خیمہ بن جائے اس کا کچھ بھروسا نہیں۔ اپنی محبت کی خاطر اور محبوب کو حاصل کرنے کے لیے یہ سر پھرے دیوانے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ چوں کہ عشق ایک وجد کی سی کیفیت کا نام ہے۔ اس لیے ایسے دیوانوں کا کچھ بھروسا نہیں کہ کب کیا کر گزریں۔ بقول شاعر:

پھر مشکل کیا آسان کیا جب ٹھان لیا تو ٹھان لیا

اور بقول یوسف تقی:

حال کچھ اب کے جدا ہے ترے دیوانوں کا شہر میں ڈھیر نہ لگ جائے گریبانوں کا

شعر کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ عاشق کو اعلیٰ ظرف ہونا چاہیے۔ عاشق دلی احساسات کو نوکِ زباں پر نہیں لاتے۔ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو راہِ عشق کی ناکامیاں برداشت نہیں کر پاتے اور محبوب کو کوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ میدانِ عشق میں قدم رکھنے والوں کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ محبوب کی طرف سے ملنے والے ظلم و ستم کو کمالِ صبر سے برداشت کرنا ہوگا۔ بقول جگر مُرادآبادی:

یہ عشق نہیں آساں، اتنا ہی سمجھ لیجیے اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

دوسرے مصرع میں شاعر ناکام عاشقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ دنیا میں ایسے بہت سے ناکام عاشق بھی پائے جاتے ہیں جو عشق کی آزمائش برداشت نہیں کر پاتے۔ وہ دل کے سارے راز زمانے والوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ وہ ذرا بھی ندامت محسوس نہیں کرتے۔ وہ راہِ عشق کو پھولوں کی سیج سمجھ لیتے ہیں لیکن جب انھیں کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے تو سارے ضبط توڑ

دیتے ہیں۔ عشق کی سنگلاخ سرزمین پر چلتے چلتے پاؤں آبلہ پائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے ناکام عاشقوں کے لیے پیغامِ عشق ہے کہ:

انھی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے
(مصطفیٰ زیدی)

''ٹھکانہ بھی نہیں'' کا ایک مطلب گھر نہ ہونا ہے۔ یعنی ایسے دیوانوں کا کوئی گھر نہیں ہوتا، یہ بے ٹھکانہ ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف محبوب کی محبت اور اس کی رضا ہوتا ہے۔ وہ اپنے گرد و پیش کو بھول جاتے ہیں۔ کسی شے اور مقام کی پروا نہیں کرتے۔ عشق کی دیوانگی میں صحراؤں اور جنگلوں کی جانب نکل جاتے ہیں۔

شعر میں شاعر نے متضاد کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ شعر انتہائی سادہ اور سہل ہے۔ سہلِ ممتنع کی ایک مثال اور روانی اور سلاست سے بھرپور ہے۔

شعر نمبر 6

ارے صیاد ہمیں گل ہیں ہمیں بلبل ہیں
تو نے کچھ آہ سنا بھی نہیں دیکھا بھی نہیں

حل لغت صیاد (شکاری) گل (پھول)

مفہوم اے صیاد پھول بھی ہم ہیں اور بلبل بھی ہم ہی ہیں۔ افسوس تو نے کچھ سنا نہ دیکھا۔

تشریح

فراقؔ گورکھ پوری کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی آہنگ اور نئے دور کا احساس موجود ہے۔ انھوں نے غزل میں نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز اور طرزِ احساس کے باعث آج ان کی غزل اُردو غزل کی دنیا پر چھا چکی ہے۔ بقول حسن عسکری:

''اب جو غزلیں لکھی جا رہی ہیں ان میں فراق کا دیا ہوا طرزِ احساس گونجتا ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر نے شاعرانہ تعلّی سے کام لیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اے صیاد وہ خوب صورت اور خوش نما پھول ہم ہی ہیں جس کی خوش بو سے تمام ماحول معطر ہے۔ جس کی رعنائی کے چرچے پورے عالم میں ہیں۔ وہ بلبل بھی ہم ہی ہیں جس کے نغمے اور زمزمے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ بقول قتیلؔ شفائی:

جو ہم نہ ہوں تو زمانے کی سانس رک جائے قتیلؔ وقت کے سینے میں ہم دھڑکتے ہیں

لیکن افسوس تو ایسا بے ذوق اور کوتاہ نظر نکلا کہ تو نے نہ وہ پھول دیکھا نہ اس کی خوش بو سونگھی اور نہ رعنائی دیکھی۔ نہ وہ بلبل دیکھی اور نہ اس کے وہ رس بھرے نغمے سنے۔ بلکہ ایک آن میں پھول کو بھی تو نے توڑ ڈالا اور بلبل کو بھی شکار کر لیا۔

''صیاد'' کا استعارہ ایسے شخص کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو محبت کرنے والوں کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔ یہ شکاری جسمانی اور جذباتی دونوں طرح سے محبت کرنے والوں کو قید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ''گل اور بلبل محبوب اور عاشق کی علامات ہیں۔ پھول کی خوب صورتی اور بلبل کے نغمے محبت کی گہرائی کو بیان کرتے ہیں۔ جہاں پھول ہو وہاں بلبل کا ہونا لازمی امر ہے۔ گل و بلبل کا ساتھ فطری ہے۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو (علامہ اقبالؔ)

شاعر کہتا ہے کہ ہمیں گل ہیں اور ہمیں بلبل ہیں۔ یہ محبت اور عشق کی یک جائی کو بیان کرتا ہے۔ جس طرح گل و بلبل کا ساتھ فطری ہے اور انھیں جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح محبت اور عشق کا ساتھ فطری ہے، انھیں بھی جدا نہیں کیا جا سکتا۔ صیاد ان کے

راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ افسوس کہ صیاد نے نہ محبت کو سنا اور نہ محبت کو دیکھا۔ وہ ان فطری اور خوب صورت جذبات سے عاری ہے۔ وہ بے حس اور بے پرواہ ہے۔ صیاد کی بے حسی محبت کرنے والوں کی راہ میں مشکلات پیدا کرتی ہے۔

شعر کا دوسرا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ ''صیاد'' سے مراد انگریز حکمران ہیں، جنھوں نے برصغیر پر قبضہ کرلیا تھا۔ 1857ء کے بعد دہلی کو تباہ و برباد کردیا۔ اس کی خوب صورتی اور رعنائی کو خاک میں ملا دیا۔ آخری مغل بادشاہ بہادشاہ ظفر جو مشہور شاعر بھی تھے، انھیں جلاوطن کردیا۔ الغرض انگریزوں کو اپنے مفاد سے غرض تھی ہندوستان کی خوب صورتی و رعنائی سے انھیں کچھ سروکار نہ تھا۔

بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ — قسمت میں قید لکھی تھی فصلِ بہار میں (بہادر شاہ ظفر)

شعر فنی محاسن سے بھرپور ہے۔ شاعر نے شعر کی ابتدا میں صیاد کا ذکر کرکے اس سے متعلقہ اشیا گل اور بلبل کا ذکر کیا ہے۔ جو صنعت مراعات النظیر کی عمدہ مثال ہے۔ شعر میں لفظ ''ہمیں'' کی تکرار شعر کے حسن کو بڑھا دیتی ہے۔ مصرع ثانی میں ''سنا'' اور ''دیکھا'' کا صوتی آہنگ نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔

شعر نمبر 7

مُنھ سے ہم اپنے برا تو نہیں کہتے کہ فراقؔ
ہے ترا دوست، مگر آدمی اچھا بھی نہیں

حل لغت منہ سے (زبان سے) برا کہنا (برائی بیان کرنا) فراقؔ (شاعر کا تخلص، جدائی) دوست (قریبی ساتھی) آدمی اچھا نہیں (اچھے اخلاق کا حامل نہیں)

مفہوم اے فراقؔ! ہم تیرے دوست کے بارے میں بری رائے نہیں رکھتے۔ لیکن اتنا ضرور بتادیتے ہیں کہ وہ اخلاقی لحاظ سے اچھا آدمی نہیں ہے۔

تشریح

فراقؔ گورکھ پوری کا شمار اُن شعرا میں ہوتا ہے، جنھوں نے اُردو غزل کو حیاتِ نو بخشی۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی آہنگ اور نئے دور کا احساس موجود ہے۔ انھوں نے غزل میں نئے نئے خیالات پیدا کیے ہیں۔ ان کی غزلوں میں شدید جذباتی کیفیات اور جمالیاتی حسن پایا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص انداز اور طرزِ احساس کے باعث آج ان کی غزل اُردو غزل کی دنیا پر چھا چکی ہے۔ بقول حسن عسکری:

''اب جو غزلیں لکھی جارہی ہیں ان میں فراقؔ کا دیا ہوا طرزِ احساس گونجتا ہے۔''

شاعر غزل کے مقطع میں کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب! ہم فراقؔ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے لیکن ہمارے اندر اتنا حوصلہ بھی نہیں کہ اسے سربازار برا کہہ سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمھارا تعلق اس کے ساتھ ہے اور محبوب سے وابستہ ہر چیز قابلِ توقیر قرار پاتی ہے۔ محبوب کے ساتھ تھوڑی سی نسبت بھی معمولی چیز کو نادر و نایاب بنا دیتی ہے اور کوئی بھی شخص اس پر انگلی اٹھانے سے گریز کرتا ہے بقول شاعر:

ہوگئی ہو آپ سے نسبت جسے اے دل ربا — میری کیا طاقت کہ اس کو میں برا کہتا پھروں

دوسرے مصرع میں شاعر اپنی جرات آمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سچی بات زبان پر لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دوست! وہ شخص تیرا دوست ضرور ہے لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ برے اخلاق کا حامل ہے۔ اچھا آدمی نہیں ہے۔ زبان کا برا ہے۔ اخلاقی برائیوں کا حامل ہے۔ ہم تو سچی بات نوکِ زبان پر لے آئے ہیں۔ اب یہ بات تم پر منحصر ہے، اب تمھارا فرض ہے کہ تم اس کی اصلاح کیسے کرتے ہو۔ اسے خوش اخلاق کیسے بناتے ہو۔ اس کو راہِ راست پر کیسے لاتے ہو۔ کیوں کہ کہا جاتا ہے:

''دوست ہی دوست کے لیے بہت بڑا مصلح ثابت ہوتا ہے''

parho.pk

اصل میں شاعر یہ بھی کہنا چاہتا ہے کہ ہر انسان بندۂ خدا بھی ہوتا ہے۔ کسی بھی انسان کے بارے میں رائے دینے سے پہلے ہمیں سوچ لینا چاہیے کہ اس کا خدا کے ساتھ جو تعلق ہے اس کے افعال کی جزا اور سزا کا اختیار بھی اللہ کے پاس ہے۔ اس لیے ہمیں کسی کی برائی کو اچھالنے کی بجائے خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ:

"خاموشی عین عبادت ہے اور ہمیں بہت سی پریشانیوں سے بچالیتی ہے"

اور بقول یعقوب انجم:

مانا میں مجرم تھا لیکن　　　تم تو میرا نام نہ لیتے

شعر میں "بُرا" اور "اچھا" متضاد الفاظ ہیں۔ جو صنعت تضاد کا خوب صورت استعمال ہے۔ شعر روانی اور سلاست سے بھرپور ہے۔

مشقی سوالات

۱۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیں:

(الف) شاعر کو ترک محبت کا بھروسا کیوں نہیں؟

جواب: شاعر کو خود پر اعتبار نہیں ہے کہ اس کے دل میں کسی بھی وقت محبت کا جذبہ پھر سے بیدار ہو سکتا ہے۔ اس لیے وہ کہتا ہے کہ میں نے محبت تو ترک کر دی لیکن ابھی مکمل بھروسا نہیں ہے۔ کیوں کہ محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے دماغ سے نہیں۔

(ب) دیوانۂ عشق کیا کچھ کر سکتا ہے؟

جواب: شاعر کہتا ہے کہ دیوانۂ عشق یوں تو ہنگامہ برپا نہیں کرتا لیکن اس کا کچھ بھروسا بھی نہیں ہے۔ کب اس کے خاموش جذبات طوفان میں ڈھل جائیں۔

(ج) "جلوہ گہِ ناز" سے کیا مراد ہے؟

جواب: جلوہ گہِ ناز سے مراد محبوب کی محفلِ حسن ہے جہاں وہ اپنے حسن اور ناز و انداز کے جلوے دکھاتا ہے۔

(د) شاعر صیاد سے مخاطب ہو کر کیا کہتا ہے؟

جواب: شاعر صیاد سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے صیاد! پھول بھی ہم ہیں اور بلبل بھی ہم ہی ہیں۔ افسوس تو نے کچھ سنا نہ دیکھا۔

(ہ) مقطع میں شاعر نے اپنے بارے میں کیا رائے دی ہے؟

جواب: شاعر کہتا ہے کہ فراقؔ ہم منھ سے برا تو نہیں کہتے کہ تیرا دوست ہے لیکن وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔

۲۔ مصرعے مکمل کریں:

(الف) سر میں ۔۔۔۔۔ بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں

(ب) دل کی گنتی نہ ۔۔۔۔۔ میں، نہ بیگانوں میں

(ج) شکوۂ جور کرے کیا کوئی اس ۔۔۔۔۔ سے جو

(د) مہربانی کو ۔۔۔۔۔ نہیں کہتے اے دوست!

(ہ) ہے ترا دوست مگر ۔۔۔۔۔ اچھا بھی نہیں

جواب:

(الف) سر میں ۔۔ سودا ۔۔۔ بھی نہیں، دل میں تمنا بھی نہیں

(ب) دل کی گنتی نہ ۔۔ یگانوں ۔۔۔ میں، نہ بیگانوں میں

(ج) شکوۂ جور کرے کیا کوئی اس ۔۔ شوخ ۔۔۔ سے جو (یہ مصرع شاملِ نصاب غزل میں موجود نہیں ہے)

(د) مہربانی کو ۔۔ محبت ۔۔۔ نہیں کہتے اے دوست!

(ہ) ہے ترا دوست مگر ۔۔ آدمی ۔۔۔ اچھا بھی نہیں

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں:

(الف) غزل کے پہلے شعر کو کہتے ہیں:

(الف) مقطع (ب) مطلع (ج) حسنِ مطلع (د) مطلع ثانی

(ب) ترکِ محبت کا نہیں ہے:

(الف) کوئی انجام (ب) بھروسا (ج) فائدہ (د) اعتبار

(ج) "یگانوں" سے مراد ہے:

(الف) بیگانے لوگ (ب) اپنے لوگ (ج) تنہا لوگ (د) منفرد لوگ

(د) ۔۔۔۔ کو محبت نہیں کہتے اے دوست!

(الف) ارزانی (ب) عداوت (ج) شفقت (د) مہربانی

(ہ) مقطع میں صنعت استعمال ہوئی ہے۔

(الف) صنعت مبالغہ (ب) صنعت تکرار (ج) صنعت تضاد (د) صنعت مراعات النظیر

۴۔ غزل کو تحت اللفظ کے انداز میں پڑھیں کہ غزل کا رچاؤ اور معنی آفرینی آپ پر کھل جائے۔

۵۔ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

جواب:

الفاظ	جملوں میں استعمال
سودا	اس کے سر سے محبوب کا سودا اتر گیا۔
تمنا	خدا آپ کی ہر تمنا پوری کرے۔
بھروسا	کسی اجنبی شخص پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔
ہنگامہ	استاد کی غیر موجودگی میں طلبہ نے کلاس میں ہنگامہ برپا کر دیا۔
شوخ	لائبہ ایک شوخ لڑکی ہے۔

۶۔ اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں:

جواب:

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
سودا	سَوْدَا	تمنا	تَمَنَّا	عشق	عِشْق
جلوہ گہ ناز	جَلْوَہ گَہِ نَاز	صیاد	صَیَّاد	رنجش	رَنْجِش

مطلع: کسی قصیدے، غزل یا قصیدہ نما نظم کے پہلے شعر کو جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہم ردیف ہوں، مطلع کہتے ہیں۔

حسنِ مطلع: مطلع کے بعد اگر ایک اور مطلع آ جائے تو اسے حسنِ مطلع کہتے ہیں۔ مثلاً شیخ غلام ہمدانی مصحفی کی ایک غزل کا حسنِ مطلع ملاحظہ ہو:

دنیا میں جب تلک کہ میں اندوہ گیں رہا
دل غم سے اور دل سے مرے غم قریں رہا
رونے سے کام بس کہ شب اے ہم نشیں رہا
آنکھوں پہ کھینچتا میں سر آستیں رہا

مقطع: کسی غزل کے آخری شعر کو جس میں شاعر اپنا تخلص بھی لاتا ہے، مقطع کہتے ہیں اور اگر شاعر نے تخلص استعمال نہیں کیا تو پھر اسے مقطع نہیں بلکہ محض غزل کا آخری شعر کہیں گے۔ مثلاً: میرزا داغ کی ایک غزل کا مقطع ملاحظہ ہو:

نہیں کھیل اے داغؔ! یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے

۷۔ فراق کی اس غزل میں مطلع اور مقطع کی نشان دہی کریں۔

جواب:

مطلع:

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

مقطع:

منہ سے ہم اپنے برا تو نہیں کہتے کہ فراقؔ
ہے ترا دوست مگر آدمی اچھا بھی نہیں